R. No. 218657

Regd. No. 292

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

ٹیلیفون - ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

جلد ۲۲ - شمارہ ۲۹	ایڈیٹر - آلِ احمد سرور	یکم اگست ۱۹۶۳ء

اداریہ

اُردو اور مسلمان

اخبار دعوت میں ایک معترضے یہ مشورہ دیا ہے کہ چونکہ اُردو کے لئے اب تک کچھ نہیں ہو سکا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ اسے مسلمانوں کی زبان تسلیم کر لیا جائے۔ صرف اسی طرح اس کے حقوق کا تحفظ ہو سکے گا۔ تعجب ہے کہ دورِ حیات بمبئی نے بھی اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ ہمیں ان دونوں معاصرین سے شدید اختلاف ہے اور اس لئے ہم اس سلسلے میں کچھ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱- اُردو ایک جدید ہندوستانی زبان ہے۔ اس کے آغاز و ارتقا میں ہندوؤں، مسلمانوں سب کا ہاتھ ہے۔ اس کے ادب کے شاندار سرمائے میں بھی سبھی شریک ہیں۔ اسے مسلمانوں کی زبان قرار دینا تاریخ کو جھٹلانا ہوگا۔

۲- یہ صحیح ہے کہ آزادی کے بعد بہت سے غیر مسلموں نے جو پہلے اُردو کو اپنی زبان کہتے تھے، اس سے بیگانہ وشی برتنی شروع کر دی۔ یہ ان کی غلطی تھی جس پر افسوس کرنا چاہیے اب یہ کہہ کر کہ اُردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دے دیا جائے اُن لوگوں کی تائید کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

۳- اُردو کے ادب میں ہر مذہب کا سرمایہ ہے۔ ظاہر ہے کہ چونکہ اُردو بولنے والوں میں مسلمان زیادہ ہیں، اس لئے اس پر اسلام کا اثر بھی ہے، لیکن ہندو مذہب و روایات کا اس پر ایسا گہرا اور بنیادی اثر ہے کہ اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۴- یہ صحیح ہے کہ اُردو کے حقوق کی جد و جہد میں اُردو دوستوں کو بہت کم کامیابی ہوئی ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کی زبان قرار نہیں دی گئی، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض تاریخی اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل میں جانے کی یہاں ضرورت نہیں، آزادی کے ساتھ ساتھ اُردو کے متعلق تنگ نظری کی بنا پر بہت سی غلط باتیں کہی گئیں جن کی وجہ سے ایک خاصا بڑا طبقہ اُردو سے بدظن ہو گیا۔

۵- اُردو اور ہندی کی قربت اس لحاظ سے ہندی کے حق میں مُضر ثابت ہوئی کہ چونکہ دونوں کا علاقہ ایک ہی ہے اس لئے ہندی کو فروغ ہمارے ملک میں جہاں انتہا پسندی اب بھی بہت ہے اُردو کی مخالفت کے روپ میں سامنے آیا۔

۶- کسی نہ کسی وجہ سے اُردو کے لئے اکثریت میں وہ ولولہ، وہ جوش وہ جذبہ نہ اُبھرا جس کی توقع تھی۔ اس میں اکثریت کا قصور زیادہ ہے، اُردو کا کم، مگر حقایق سے آنکھیں چار کرنے کی عادت بھی تو ڈالنا چاہیے۔

۷- ہندوستان کی قومی، سماجی، تہذیبی زندگی جن خطوط پر بڑھ رہی ہے، ان کے لئے اُردو دوستوں نے مناسب تیاری نہیں کی۔

۸- غیر مذہبی ریاست کا تصور ابھی سب کے دلوں میں گھر نہیں کر پایا ہے اور جمہوریت کی روایات ابھی بنی نہیں ہیں، اس لئے مذاہب کے ساتھ زبان کو وابستہ کرنے کی تحریک اب بھی خاصی زور دار ہے۔

۹- اس کا ردِ عمل دعوت اور دورِ حیات کے مضامین میں ملتا ہے۔

فہرست ہماری زبان

موجودہ شمارہ

"لوگ کہتے ہیں اچھا بھائی تم اُردو کو صرف مسلمانوں کی ملکیت سمجھتے ہو تو ہم بھی اسے تسلیم کئے لیتے ہیں۔ اب ہندستان کی ایک قومی زبان کی حیثیت سے نہیں، مسلمانوں کی یعنی ایک مذہبی اقلیت کی زبان کی حیثیت سے اس کا تحفظ کرو۔"

۱۰۔ یہ نعرہ، مایوسی کا نعرہ ہے۔ یہ نعرہ پست ہمتی کا نعرہ ہے آج جو تنگ نظری اور تعصب اُردو کے سلسلے میں ملتا ہے، اُسے دائمی اور ابدی کیوں سمجھا جائے۔ آخر موجودہ صورت میں ہر اُردو دوست کو خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو، اُردو کے لئے جدوجہد کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔ چلئے تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے، حکومت کچھ نہیں کرے گی لیکن اُردو دوست خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، یا سکھ یا عیسائی وہ اتنے گئے گزرے کیوں مان لئے جائیں۔ وہ اپنی سعی کریں تو انہیں کون روکتا ہے۔

۱۱۔ یہاں موجودہ حکومتوں سے یہ توقع کہ وہ اُردو کے ساتھ انصاف کرکے اپنی اکثریت کے لئے مشکلات پیدا کریں گی، اب غلط ثابت ہو گئی ہے۔ ہمارا کام یہ ہونا چاہئے کہ اس اکثریت کو اپنی طرف لائیں۔ اس کام میں ہماری مجالس قانون ساز کے ممبران، قومی جماعتوں کے رہنما اور قومی کارکن بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں۔

۱۲۔ اُردو کے معاملے میں مشکل یہ ہے کہ اس کی خدمت سے فوری سیاسی نفع نہیں حاصل ہوتا، ہاں دوررس سیاسی نعمتیں اور برکتیں ضرور ملتی ہیں۔ ملک کی سیاست اس وقت سستے نتائج کے چکر میں گرفتار ہے۔ اسے حقیقی اور دوررس فائدوں کا احساس دلانا ہے۔ اس کے ساتھ اُردو کے لئے انصاف کا جذبہ بھی اُبھرے گا۔

۱۳۔ اُردو دوستوں کا فرض ہے کہ اپنے اوپر بھروسہ اور اپنی زبان کیلئے عقیدہ پیدا کریں اور اس کی خدمت کے لئے جس طرح ہو سکے وقت اور وسائل فراہم کریں۔ پھر انھیں ایسے نسخوں کی ضرورت نہ رہے گی جو نیم حکیم اور خطرۂ جان حضرات کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۴۔ اُردو کے پرانے اور جاگیردارانہ روپ کو موجودہ دور میں جوں کا توں باقی رکھنے کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی زبان میں جدید دور کی ضروریات کے مطابق تبدیلیوں پر راضی ہونا چاہئے۔ اسی طرح جدید طباعت کی ضروریات کے مطابق رسم خط میں اصلاح کرنے سے بھی گریز نہیں کرنا چاہئے۔ زبان بڑھتی ہے اور بدلتی ہے۔ ہاں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اس تبدیلی کے باوجود وہ بدل کر کچھ اور نہ ہو جائے۔ اس کی اپنی بنیاد اور اپنی تاریخ سے رشتہ مضبوط رہے۔

ڈاکٹر کنزرو نے اُردو ہال کا معائنہ کیا

حیدرآباد۔ ۱۷ر جولائی۔ ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو صدر انجمن ترقی اُردو ہند نے آج شام اُردو ہال اور آڈیٹوریم کا تفصیلی معائنہ کیا۔ نواب میر احمد علی خاں، پروفیسر ہارون خاں شروانی اور مولوی حبیب الرحمٰن نے انہیں معائنہ کے دوران تفصیلات سے واقف کرایا۔ (روزنامہ سیاست حیدرآباد)

ہر بچہ کو مادری زبان میں تعلیم کا پورا حق ہے

ناسک۔ ۱۴ر جولائی۔ مہاراشٹر کے وزیر تعلیم مسٹر شانتی لال شاہ نے کل یہاں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ملک کے ہر بچہ کو ابتدائی تعلیم اپنی مادری زبان میں حاصل کرنے کا جائز طریقہ پر قانونی حق حاصل ہے اس ضرورت کے پیش نظر یہ بات نہایت ضروری ہے کہ مختلف زبانوں کی ابتدائی تعلیم دینے والے مدارس زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہوں۔ (الجمعیۃ)

بھینسہ میں اُردو اِدارے اور دارالمطالعے کا قیام

۱۶ر جولائی۔ انجمن ترقی اُردو شاخ بھینسہ کے ایک اجلاس میں اُردو ذریعۂ تعلیم کے ایک ٹیوٹوریل انسٹی ٹیوٹ اور ایک دارالمطالعے کے علاوہ امداد باہمی کی بنیادوں پر تلگو، اُردو اور انگریزی درسی کتابوں کی خرید و فروخت کے لئے ایک اسٹور کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ میں آٹھویں تا گیارہویں جماعت کی تعلیم دی جائے گی جس میں شرکت کی آخری تاریخ ۲۵ر جولائی مقرر کی گئی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ اور دارالمطالعے کا افتتاح یکم اگست کو عمل میں آئے گا۔ تعلیم کے اوقات موسم بارش و سرما میں ۷ بجے سے ۱۰ بجے شب مقرر کئے گئے ہیں۔　(سیاست حیدرآباد)

محبوب نگر میں اُردو کی متوازی جماعتوں کا قیام

حیدرآباد ۱۹ر جولائی۔ انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کی نمائندگی پر ضلع محبوب نگر میں حسب ذیل مقامات پر اُردو کی متوازی جماعتیں قائم کرنے کی منظوری نظامت تعلیمات سے حاصل ہو چکی ہے۔

(۱) ضلع پریشد ہائی اسکول بادے پلی (گیارہویں جماعت)، (۲) مدرسہ وسطانیہ نرمل برگنہ محبوب نگر (آٹھویں جماعت)، (۳) مدرسہ تحتانیہ (میرا ولی) (سوم جماعت)، (۴) پریشد ہائی اسکول نور کرتی (دہم جماعت) ان مقامات کے علاوہ تقریباً ۲۰ مزید مقامات پر اُردو کی متوازی جماعتیں قائم کرنے کے لئے ابھی منظوری کا انتظار ہے۔　(خلافت)

بزمِ ادب کوٹہ

۲۰ر جولائی ۶۳ء کو جناب کرشن موہن صاحب [illegible] آفیسر اور [illegible] کی [illegible] میں بزم ادب کوٹہ [illegible] مخصوص مشاعرہ [illegible] انجمن ترقی اُردو کوٹہ [illegible] منعقد ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت حضرت [illegible] نے کی۔ مقامی شعراء کے علاوہ [illegible] مجسٹریٹ جناب [illegible] صاحب، جناب [illegible] صاحب [illegible] جناب [illegible] صاحب [illegible] محمد حسینی [illegible] ایڈووکیٹ [illegible] ماسٹر [illegible] صاحب خود بھی شریک تھے۔ ([illegible] جے پوری)

سلطان احمد سابق مدیر اتحاد پٹنہ

آزاد کی زبان اور ان کا بیان

مولانا آزاد کی مادری زبان عربی تھی۔ اُردو صرف اختیاری، مگر ادا رے جذبۂ شوق! تو نے وہ کمال دکھایا کہ اہلِ زبان سر پیٹیں۔ بے شک، زبان کو ماں ہی سے نسبت ہے۔ باپ کا بیان کتنا ہی زوردار ہو اور فراموش نہ ہو۔ لیکن بچے کی کشش ماں کی آواز میں ہے۔ وہ کان پڑی اور دل میں اتری۔ یہ ساری دل نوازی، اسی لب و لہجے کی رہینِ منت ہے جو بچپن کی لوریوں اور محبت کے چٹخاروں میں پرورش پاتی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس کے انداز اور طور طریقے بدلتے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کا اثر جب پوری طرح ذہن میں پیوست ہو جائے تو فکر و خیال کی تابانیاں اسی سے روشن ہوتی ہیں۔ آزاد کا دہلی سے تعلق بھی ایک ماضی کی یاد سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ حال کے اعتبار سے نہ تو ان کا قیام و استقرار ہی کسی ایسے عہد کا پابند رہا جو وطنی خصوصیات کا حامل ہو۔ اور نہ اہلِ زبان کی فیض بخشیوں سے وہ بدرجۂ اتم شاد کام ہوئے بلکہ ان کا سارا دور اور طنطنہ خود اپنی جولانیٔ طبع کا نتیجہ تھا۔ پھر اس اختیار کی گرفت کو دیکھو، کتنی سخت و مضبوط اور کس قدر جزرس نکلی کہ بطور خود اہلیت کی دلیل بن گئی ورنہ ایک ایسا دور بھی گزرا ہے، جب معمولی بات چیت کے لئے انہیں عربی جملوں اور محاوروں کے سوا چارہ نہ تھا۔ یہی نہیں کہ یہ الفاظ و محاورے ہماری زبان کے لئے اجنبی اور غیر مانوس تھے بلکہ ان کی ترکیب اور طریقہ استعمال بھی بالکل جداگانہ تھا لیکن اس غلبۂ کلام کو کیا کہیئے، جس کی بدولت وہ گوارا ہوئے، ان سے زبان بھی وسیع ہوئی اور اُردو ادب کو ایک نیا اسلوب ہاتھ آیا۔ ظاہر ہے، محض بیان میں کوئی خاص ندرت نہیں ہوتی۔ جب تک اس کے اظہار کا طریقہ غیر معمولی نہ ہو۔ کیسا ہی انداز بیان ہو، جب پختہ ہو کر ایک خاص رنگ اختیار کرلے اور نظر پڑتے ہی پہچان ہو جائے کہ یہ رنگ فلاں کا رنگ ہے۔ تو وہی رنگ یا اسلوب شخصی کہلاتا ہے اور شخصیت کا نقیب ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے صاحب طرز و انشا ہونے کا مدعی، قلمروئے سخن کا ترجمان اور اقلیم زبان و ادب کا تاجدار بھی ہوتا ہے۔ یہ اسلوب کثرتِ مطالعہ اور کرامتِ فکر سے پیدا ہوتا ہے۔

ابھی بیسویں صدی کی ابتدا ہوئی تھی۔ ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بالکل دھندلا تھا کبھی کبھی کسی کی زبان سے کوئی لفظ نکل پڑتا وہ بھی تاجِ برطانیہ کی ہواخواہیوں کے سوا کیا تھا؟ بس غلامی کی خیر اور ملازمت طلبی۔ اس عالم میں ہندوستان کی آزادی کے دو زبردست نقیب سامنے آئے۔ ایک نے سنہ ۱۹۰۱ء میں ہمالہ کی پاسبانی کا راگ الاپا۔ دوسرے کی چشم بیدار نے سنہ ۱۹۰۶ء میں ایک خواب دیکھا جو سنہ ۱۹۱۲ء کی ایک پچھلی شب میں اپنی تعبیر کا علمبردار ہوا۔ صبح کو دیکھتے ہیں تو آفتاب کی کرنوں کے ساتھ جریدۂ الہلال کے صفحات بھی ضوفگن ہیں۔ پھر اس ظلمت کدۂ ہند میں روشنی کے یہ دو مینار جس طرح قائم اور فعال رہے۔ اور فکر و عمل کے اعتبار سے انہوں نے جو بیداری اور متحرک زندگی پیدا کی۔ وہ آپ اپنی مثال ہے۔ اُردو کے پہلے حرفِ تہجی کے یہ دو پیکر جو اقبال و آزاد موسوم ہوئے۔ دراصل وہ مایۂ وطنیت کے ایک ہی خمیر سے گوندھے گئے تھے۔ ان کی طبیعت کا جوہر یکساں ہی تھا۔ ایک کا ترانہ، اور دوسرے کی پکار، مگر کیفیتوں کا ایک ہی رجحان اور ایک ہی مرکز۔ سوز و ساز میں لہجوں کا فرق ہو لیکن ان کے اضطراب و ہیجان میں کوئی کمی نہ تھی۔ کیونکہ دونوں کا مقصد اور نصب العین ایک ہی تھا۔

آزاد کی سخت جانیوں کا یہ حال عجیب و غریب تھا کہ ماحول کی خصوصیتوں اور مواقع کی ساز گاریوں کے باوجود گردشِ عمل اور سعیٔ پیہم کے لئے انہوں نے ایک زمینِ شور کا انتخاب فرمایا۔ اور اپنی بین الاقوامی زبان پر پوری قدرت رکھتے ہوئے، ایک ملکی زبان کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ بظاہر یہ بات کتنی ہی انوکھی معلوم ہو، لیکن گہری نظروں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں، کہ جن کے فروغ کی خاطر یہ مرحلے قبول کئے گئے۔ ان کی رسائی کا یہی ذریعہ آسان اور کارآمد بھی تھا۔ یہ ان کی مافوق فطرت اور غیر معمولی صلاحیت تھی۔ جس نے اس زبان کے مزاج اور اس کی کیفیتوں پر اس درجہ قابو پالیا کہ جو نقش بھی اُبھرا وہ دل پسند ٹھہرا۔ کہتے ہیں اس کی ابتدا شاعری سے ہوئی۔ اُدھر معقول و منقول کے مباحثوں اور مناظروں کی دھوم مچ رہی تھی۔ اِدھر شعر و شاعری کے دیوان اُلٹے جا رہے تھے۔ علامہ شبلی کے استاد مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کے ایک مستند شاگرد عبدالواحد خاں سہسرامی اس بادیہ پیمائی کے سربراہ تھے۔ ان کی واہ واہ کچھ ایسی دل میں سمائی کہ راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مصرع کہو اور پوری غزل لے لو۔ گھر کی پابندیوں سے مجبور تھے۔ مشاعروں میں کھلے بند شریک ہو سکتے تھے۔ صلاح کار اب کیا کرتے؟ آخر سہسرام کے اسی خان عبدالواحد نے اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی تجویز سے تخلص بھی آزاد ہوا اور یہی شخصیت کا نشان بن گیا۔ غرض عبدالواحد خاں کے

مشہوروں نے بڑا کام کیا۔ یہ نہیں کہ آزاد کی غزلیں گلدستوں میں شائع ہوئیں یا یہ کہ بیرونی اشاعتوں کو ناکافی سمجھ کر اپنے طور پر رسائل جاری کئے گئے۔ بلکہ انھیں سرگرمیوں سے زندگی کا اصلی مقصد بھی سامنے آگیا۔ اب شعر کی جگہ تعمیر ہے۔ طبیعت کو اس سے گہری مناسبت ہوئی۔ پھر یہ کیا تھی؟ احوال نے احساس کی صورت اختیار کی۔ افکار، عمل کے پتلے ہے اور افراد، احکام کے پابند۔ عوام متاثر ہوئے اور خواص مستعد۔ آزاد کی رسائی فکر نے مسائل کی تبلیغ و اشاعت کا وہ حق ادا کیا کہ سرزمین ہند کا چپہ چپہ چیخ اٹھا ان کی عزیمت دعوت کی ایک پکار سُنیئے:

"بڑوں بڑوں کا یہ عذر ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا۔ اور سرو سامان اور اسباب کار فراہم نہیں۔ لیکن وقت کا عازم و فاتح اُٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اس کو ساتھ لوں گا۔ اگر سرو سامان نہیں تو اپنے ہاتھوں سے تیار کروں گا۔ اگر زمین موافق نہیں تو آسمان کو اُترنا چاہیئے۔ اگر آدمی نہیں ملتے تو فرشتوں کو ساتھ دینا چاہیئے۔ اگر انسانوں کی زبانیں گونگی ہو گئی ہیں تو پتھروں کو چیخنا چاہیئے۔ اگر ساتھ چلنے والے نہیں تو کیا مضائقہ؟ درختوں کو دوڑنا چاہیئے۔ اگر دشمن بے شمار ہیں تو آسمان کی بجلیوں کی بھی کوئی گنتی نہیں۔ اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کہ راہ صاف نہیں کرتے۔ وہ زمانہ کا مخلوق نہیں ہوتا کہ زمانہ اس سے اپنی چاکری کرائے۔ وہ وقت کا خالق اور عہد کا پالنے والا ہوتا ہے۔ اور زمانہ کے حکموں پر نہیں چلتا بلکہ زمانہ آتا ہے تا اس کے جنبش لب کا انتظار کرے۔ وہ دنیا پر اس لئے نظر نہیں ڈالتا کہ کیا کیا ہے، جس سے دامن بھر لے۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے آتا ہے کہ کیا کیا نہیں ہے جس کو پورا کر دے اس کا مایۂ خیر بخشش و نوال ہے طلب و سوال نہیں۔ آج اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور ڈھونڈھ ہے تو اسی کی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔"

یہ صدا بے چین و مضطرب ہے۔ اس فضا میں گونجی ہوئی کوئی آواز اور اس کی جھنک بھی ضائع نہیں ہوتی۔ وہ برباد ہو، لیکن معدوم نہیں۔ ہاں، طلب کی صورتیں ہیں اور گرفت کا طریقہ۔ یہ ٹھیک ہوں تو گم شدہ بھی محفوظ و دستیاب۔ مگر اب کہاں ہیں وہ براہیمی سپوت، جو برطانی جبروت کے مقابلے میں ہزاروں ہزار اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل آئے تھے۔ جن کی جاں بازیوں اور سرفروشیوں کے صدقے میں اس خزاں رسیدہ چمن کو بہار نصیب ہوئی۔ شاید اس قبیلۂ کشتگاں کی نہ تو رسم ہی یاد رہی اور نہ کوئی نظم باقی ہے کہ عاشقان پاک طینت اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور جو ہیں، وہ اپنی لو ماسوی سے لگا بیٹھے ہیں۔ یہ خطابت، جو زبان گویا کی ایک بڑی دولت اور عالم تقریر کے شباب و عروج کی ایک موجزن کیفیت ہے۔ خطیب کے دم قدم سے قائم رہتی ہے۔ اس کا جلوہ تحریر کے پردوں میں بہت کم نظر آتا ہے۔ لیکن خطابت تحریر کا یہ سیل رواں آزاد کے قبضہ میں تھا۔ ان کی اختیاری زبان کا قابو اتنا زوردار و مستحکم نکلا کہ تقریر ہو یا تحریر وہ دونوں صورتوں میں یکساں ہی گامزن رہے۔ جس طرح سرسید نے اُردو ادب کو نثر کا عطیہ بخشا۔ اظہار خیال کی ضرورتوں کو پورا کیا اور مسائل و رسائل کی ایک نئی شکل و صورت گھڑی کردی۔ اسی طرح آزاد کے افکار و مباحث نے اُردو زبان و ادب کو ایک مبسوط فکر اور دل نشین بیان عنایت فرمایا۔ اگر تہذیب الاخلاق نے اُردو مضمون نگاری کی داغ بیل ڈالی اور اس کا معیار قائم و بلند کیا۔ تو الہلال و البلاغ کے دیئے سے دیئے جلے۔ مدینہ کا باب کشادہ ہوا، اتحاد کا دروازہ کھلا، نگار کا رنگ چمکا۔ سچ کو فروغ ہوا، صدق کی تلخیوں میں مزہ آیا۔ اور پارچے و رسالے، جریدے و صحیفے بن گئے۔ غالب کی مکاتیب اگر مخاطبت میں تبدیل ہو کر اُردوئے معلّٰی بن جائے۔ تو حیرت نہیں، کاروانِ خیال اور غبار خاطر کے جواہرات بھی ادب کی دنیا میں ہم پلہ ہیں۔ عالم خیال کے مراسلوں کی یہ صورت کہ صرف ایک جملہ کفالت کرے اور کبھی یہ طوالت کہ پوری کہانی بن جائے۔ ندرت زبان و بیان کی ایک کھلی دلیل ہے۔ یہی نہیں، آزاد نے تقریر کو اپنی تحریر کا وہ جامہ پہنایا کہ صحافت و خطابت کو دوش بدوش کھڑا کر دیا۔ اب زبان کے میدان میں صحافت، ادب کی پیش گاہ ہے۔ اور آزاد کی یہ خدمت؟ اُن کا ایک عظیم کارنامہ۔

رابندر ناتھ ٹیگور
مترجم: اقبال کرشن

بالک پوچھے!

بالک ماں سے پوچھے اکثر
"بولو ماں میں آیا کیوں کر؟
کس جا سے مجھ کو تم لائیں چن پا کے؟"
ماں سن کے بولے ہنس رو کے
سینے سے اپنے چمٹا کے
"خواہش کی صورت تھا تو دل میں میرے!

"تھا تو گڑیوں کے کھیلوں میں!
صبح کو شو جی کی پوجا میں
تجھ کو میں نے توڑا ہے اور ڈھالا ہے
تھا میرے ٹھاکر کے آگے
اوپر پوجا کی چوکی کے،
اس کی پوجا میں تیری پوجا کی ہے!

"میری تو ہر اک آشا میں
اور ہاں میری ہر چاہت میں
میری ماں اور ماں کی پشتوں میں تو تھا!
اپنے اس کہنہ خانے میں
اس گھر کی دیوی کے دل میں
کوئی کیا جانے پوشیدہ کب سے تھا!

"اپنی نو عمری میں میرا
دل جب کھل کر مسکایا تھا
خوش اندامی کی تنکینی میں تو تھا!
کل جسمانی اعضا میں میرے
تو ہی تو بستا تھا لے کے
اپنی یہ نازک اندامی اور کو ملتا!

"تو شفقت کا سرمایہ ہے
تو آہ! کہنہ ہستی ہے
اں اور تو پیغام صبح تاباں ہے!
تو دنیا کا وہ سپنا ہے
جو کہ خوشیوں کے دھاروں پے
گرتا پڑتا مجھ تک بہتا آیا ہے

"میں سوچوں، جب دیکھوں تجھ کو،
حل کرنا مشکل ہے تجھ کو:
تو تھا جب کہ سب کا پھر میرا کیسے؟
تجھ کو چوموں، چوموں خود کو
میرے دل کا ٹکڑا تو تو
دنیا میں آنکھیں کھولیں ہنستے ہنستے!

سینے سے چمٹائے میں ہوں،
ڈر ہے مجھ کو تجھ کو کھو دوں!
رو رو کر میں مر جاؤں جو تو روٹھے!
باندھوں میں کن زنجیروں سے
من موہن بالک کو اپنے؟
تجھ کو باندھوں ان دو بانہوں میں اپنے!"

اسرار اکبرآبادی

گزارش

اے مرے دل میں دہکتے ہوئے غم کے شعلو
آج کی رات مجھے چین سے سو لینے دو
ایک مدت سے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے
میں اگر سو نہ سکا میرے تن لاغر کو
موت بانہوں میں اُٹھا کر کہیں لے جائے گی
خیر اندیش ہوں ہستی کا، تمھیں کیا معلوم
اُس کے ہر ربط سے الم ناک صدا آئے گی
اپنی مرجھائی ہوئی چشم پریشاں کی قسم
لوگ کہتے ہیں کہ خوابوں سے سکوں ملتا ہے
جسم کے سوکھے ہوئے باغ میں چلتی ہے ہوا
قلب مضطر گل رنگیں کی طرح کھلتا ہے
خواب میں عہد گزشتہ کے رسیلے نغمے
عطر کی طرح فضاؤں میں بکھر جاتے ہیں
رقص کرتی ہوئی آتی ہیں گلشن سے پریاں
غم میں ڈوبے ہوئے منظر بھی نکھر جاتے ہیں
یاد رنگوں کے مچلتے ہوئے بادل کی طرح
تشنہ لب قلب کے ماحول پہ چھا جاتی ہے
جگمگاتے ہیں در و بام پہ خوشیوں کے کنول
نور ہی نور ہواؤں میں وہ برساتی ہے
دل بھی غمگین و فسردہ ہے مسرت کی قسم
آج کی رات مجھے چین سے سو لینے دو
ایک مدت سے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے
نیند کی جھیل میں کشتیِ طرب کھینے دو
اے مرے دل میں دہکتے ہوئے غم کے شعلو

لسانی اقلیتوں کی مادری زبان

اور ریاستی حکومتوں کا فرض

حیدرآباد۔ ۱۷ جولائی۔ ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو صدر انجمن ترقی اردو ہند نے آج شام اردو ہال میں انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے زیر اہتمام منعقدہ ایک جلسہ کو مخاطب فرمایا۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ اردو میں تقریر کرتے ہوئے اردو کے دستوری موقف، موجودہ صورت حال اور متعلقہ مسائل کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ دستور ہند کے جدول ۸ میں ہندی سمیت تمام زبانیں قومی زبانیں ہیں۔ بنگالی، تامل، تلگو، کنڑی، مرہٹی اور ملیالم میں تعلیم کی جو سہولتیں یہ زبانیں بولنے والوں کو حاصل ہیں اسی طرح اردو بولنے والوں کو بھی سہولتیں حاصل ہونی چاہئیں۔ اردو کے تعلق سے سہولتیں فراہم کرنے کی باتیں ہی کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ سہولتوں کی فراہمی کو عملی طور پر ایک حقیقت بنانے کی ضرورت ہے۔ اردو بولنے والے بچوں کو لازمی طور پر اردو پڑھنے کا انتظام کیا جانا چاہئے۔ ہمارے ملک میں اب تک بھی ایسا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ ریاستی تنظیم جدید کمیشن کی سفارشات کی وجہ سے مادری زبان میں تحتانوی تعلیم کا انتظام تو ہو گیا ہے لیکن خانگی طور پر قائم کئے جانے والے مدارس کو امداد نہیں دی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابتدائی اور تحتانوی مدارس کی سطح سے اوپر ثانوی مدارس میں بھی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت دی جانی چاہئے۔

ریاستی حکومتوں پر فرض ہے کہ ترقی علاقائی زبانوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لازمی طور پر لسانی اقلیتوں کو ان کی مادری زبان کی تعلیم دی جائے اور مادری زبان کی تعلیم کو محض "اختیاری" نہیں سمجھا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ تعلیم ریاستی موضوع ہے اس وجہ سے مختلف ریاستوں میں اردو بولنے والوں کو حصول تعلیم میں دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ ریاستی تنظیم جدید کمیشن کی سفارشات پر بعض ریاستوں میں پورا پورا عمل درآمد نہیں ہوا ہے۔ لسانی اقلیتوں سے متعلق یہ سفارشات بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ کے بموجب بہار اور آندھرا میں اردو تعلیم کی سہولتوں میں اضافہ ہوا ہے لیکن اتر پردیش میں صورت حال حوصلہ افزا نہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ اتر پردیش میں اردو بولنے والوں کے مسائل اور شکایات کی جانب وزیر اعظم نہرو اور مرکزی حکومت کو توجہ دلائی جائے۔ اردو کے سوا دوسری علاقائی زبانوں اور ہندی کو ترقی دینے کے لئے مرکزی اور ریاستی حکومتیں جس طرح کوشاں ہیں اسی طرح اردو زبان کی ترقی کے لئے بھی مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتنی چاہئے۔ ڈاکٹر کنزرو نے اردو کو فارسی اور عربی کے الفاظ سے بوجھل بنانے کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ اردو کو سہل اور عام فہم بنانا چاہئے۔

انگریزی پڑھنا مفید اور ضروری۔ ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو نے مزید کہا کہ انگریزی پڑھنا انگریزوں پر احسان جتانا نہیں بلکہ خود اپنے اور ملک کے لئے مفید ہے۔ جدید علوم و فنون اور نئے رجحانات سے واقف ہونے کے لئے انگریزی کی تعلیم ضروری ہے۔ انگریزی سیکھتے وقت یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ کسی زبان سے دلچسپی و واقفیت اور اس پر عبور حاصل کئے بغیر ہم اس زبان کے علمی خزانے سے پورا پورا استفادہ نہیں کر سکتے۔ ملک میں انگریزی کی تعلیم کا معیار گر رہا ہے۔ اس سلسلے میں مختلف ریاستوں میں مختلف اور متضاد پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے۔ ثانوی مدارس میں اگر انگریزی کی اچھی تعلیم کا بندوبست نہ ہو تو کالجس اور یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم انگریزی میں حاصل کرنے میں طلبہ کو دشواریاں ہوں گی۔

اتر پردیش کے سہ لسانی فارمولا پر اظہار رائے کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تین زبانوں میں سنسکرت کو شامل کرنا نادانی کی بات ہے اس ملک میں سنسکرت کی کتنی ہی عزت کیوں نہ ہو اگر اسے جدید زبان بنانے کی کوشش کی گئی تو اس سے علاقائی زبانوں کو نقصان پہنچے گا۔ انہوں نے بتایا کہ یو پی میں کرپلانی رپورٹ اگرچہ ابھی شائع نہیں ہوئی ہے لیکن انہیں رپورٹ کی ایک کاپی ملی تھی جس کے مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس رپورٹ کو اردو والوں پر ظلم کے مترادف قرار دیا نہیں جا سکتا۔ کرپلانی رپورٹ کے تعلق سے اردو والوں کو مصالحانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ انہوں نے حکومت آندھرا پردیش کو اردو کے تعلق سے بہتر اور فراخدلانہ پالیسی اختیار کرنے پر مبارکباد دیتے ہوئے چیف منسٹر مسٹر این سنجیوا ریڈی پر زور دیا کہ وہ اس پالیسی پر موثر عمل درآمد کا انتظام کریں۔

مولوی حبیب الرحمن صاحب معتمد انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں کہا کہ ڈاکٹر کنزرو نے اردو کے لئے انتہائی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں مرکزی انجمن کی صدارت قبول کرنے کے بعد اب امید ہے کہ ان کے دور صدارت میں اردو بولنے والے اپنے حقوق حاصل کریں گے۔

نواب میر احمد علی خاں وزیر عمارات و شوارع نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا۔ ڈاکٹر کنزرو حیدرآباد سے عرصہ دراز [illegible] ۳۵ سال قبل وہ ایک تعلیمی کانفرنس کے سلسلے میں یہاں آئے تھے انہوں نے بتایا کہ آندھرا پردیش میں حکومت نے اردو کے ساتھ بہتر پالیسی اختیار کی ہے ریاست بھر میں تحتانوی اور ثانوی مدارس میں اردو کی تعلیم کا معقول انتظام ہے تاہم حکومت کی پالیسی پر عمل درآمد میں کوتاہی سے متعلق شکایات ہیں جن کو رفع کرنے کے لئے حکومت کوشش کر رہی ہے۔

(روزنامہ سیاست حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو بستی

۱۷ر جولائی ۱۹۶۳ء کو ۶ بجے شام کے وقت ملک احمد حسین صاحب وکیل کے مکان پر انجمن ترقی اردو بستی کی مجلس انتظامیہ کا جلسہ زیر صدارت قاضی محمد عدیل عباسی منعقد ہوا۔ جس میں خصوصی دعوت پر شہر اور ضلع کے بہت سے ذمہ دار حضرات شریک تھے۔

گزشتہ جلسے کی کارروائی اور حسابات آمدنی و خرچ پاس ہونے کے بعد حسب ذیل تجاویز اتفاق رائے سے پاس ہوئیں۔

تجویز (۱) لائبریری کی تنظیم جدید اور دستور کام کے لئے ایک لائبریری کمیٹی حسب ذیل اصحاب پر مشتمل بنائی گئی جو لائبریری کے عام ممبران ایک روپیہ ماہوار پر اور طالب علموں کو چار آنے ماہوار پر بنائے۔ اور بلا پانچ روپے جمع کئے ہوئے کسی کو کوئی کتاب لائبریری سے باہر لے جانے دیا جائے۔

قاضی محمد عدیل عباسی (صدر) محمد اختر علی صدیقی (سکریٹری)

ممبران: سید معروف حسین وکیل، سید قاسم علی تر کہیا، عبدالقادر جعفری وکیل، محمد جعفر وکیل، حشمت اللہ خاں صاحب وکیل، مولوی حبیب اللہ صاحب، بابو جے بہاری لال وکیل، حکیم منظور احمد صاحب، جناب ادوے بھان ست سنگی وکیل۔

تجویز (۲) "طے ہوا کہ جب انجمن کی آمدنی میں ترقی ہو جائے تو پچاس روپے ماہوار تک پر ایک کارکن ضلع کے دورے کے لئے رکھا جائے جو اسکولوں میں اردو کو رائج کرانے کے سلسلے میں کام کرے۔"

تجویز (۳) "طے ہوا کہ ممبر سازی کی مہم فی الفور شروع کی جائے۔ اور کوشش کی جائے کہ ایک ہزار ممبر بنائے جائیں۔ یہ مہم نومبر ۱۹۶۳ء کے آخر تک جاری رہے اور ۱۵ر دسمبر تک انجمن کی مجلس انتظامیہ کا انتخاب ہو جائے۔"

سہ لسانی فارمولا

تجویز (۴) سہ لسانی فارمولا کے سلسلے میں حسب ذیل تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی:

"مجلس انتظامیہ انجمن ترقی اردو بستی کا یہ جلسہ ریاست اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کے ان بیانات کو جو بنارس پریس کانفرنس اور دیگر مقامات پر دئے گئے اور جن کے متعلق اخبارات سے یہ معلوم ہوا کہ وزیر اعلیٰ صاحب نے فرمایا ہے کہ جن مقامات پر اردو کا انتظام ہے وہاں اردو سہ لسانی فارمولے میں شامل کی جائے گی انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ریاست اتر پردیش سے حسب ذیل مطالبات کرتا ہے:

(ا) جہاں کہیں اردو کا مطالبہ ہو وہاں حکومت اسے اپنی ذمہ داری سمجھے کہ وہاں اردو کی تعلیم کا انتظام کرے۔

(ب) کسی بچے کو جو ہندی اور انگریزی کے ساتھ اردو تیسری زبان کی حیثیت سے لینا چاہتا ہے اسے جبراً اردو چھوڑنے پر انتظام نہ ہونے کے بہانے سے یا کسی اور طریقے پر مجبور نہ کیا جائے۔

(ج) ایک اسپیشل آفیسر اس کام کے لئے مقرر کیا جائے کہ وہ یہ دیکھے کہ کسی بچے کو اردو کے بجائے سنسکرت یا اور کوئی زبان لینے پر مجبور نہیں کیا جا رہا ہے اور جو شکایات سنے۔ اور اسے اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے اور اس کے لئے ماسٹر مہیا کرنے اور بجٹ مہیا کرنے کا اختیار ہو۔

طے ہوا کہ مندرجہ بالا تجویز کی نقول اخبارات، سکریٹری آل انڈیا انجمن ترقی اردو، جناب آل احمد سرور صاحب اور وزیر اعلیٰ اور وزیر تعلیم (یو۔پی) وزیر تعلیم حکومت ہند، پنڈت جواہر لال نہرو، شری لال بہادر شاستری اور مرکز اور ریاست کے دیگر وزراء اور ذمہ دار حضرات کے پاس بھیج دی جائے۔

اس کے بعد جناب حشمت اللہ خاں صاحب وکیل نے تقریر فرمائی اور تمام اردو داں حضرات سے اپیل کی کہ وہ اردو کی بقا اور ترقی کے لئے جد و جہد کریں کیونکہ اردو ہماری مشترک تہذیب کی آئینہ دار اور ایک جاندار زبان ہے اور اسی ملک میں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی اور اس کا سیکھنا دماغ کو روشن کرنے کے لئے ضروری ہے۔

صدر کی اختتامی تقریر کے بعد جلسہ قریب آٹھ بجے رات کو برخاست ہوا۔ (قاضی محمد عدیل عباسی صدر)

انجمن ترقی اردو شاخ دہلی کی ادبی نشست

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دہلی کی ادبی نشست ۱۳ر جولائی کو ۶ بجے شام زیر صدارت جناب نریش کمار شاد منعقد ہوئی۔

"رقص" افسانہ محمود پال صاحب نے پڑھا۔ یہ عنوان سے تکنیک میں مطابقت رکھتا تھا۔ موضوع بھی دلچسپ تھا اور اچھے انداز سے کلب کی زندگی اور نئی سوسائٹی پر تبصرہ کرتا تھا۔ اسی لئے کافی سراہا گیا۔

محمود پال کے افسانہ کے بعد بہار برنی صاحب نے ایک غزل پڑھی۔ اس غزل کے بعض اشعار پر تنقید ہوئی اور کچھ اچھے مشورے دئے گئے۔ اس کے بعد صابر ابوہری صاحب نے اپنی نظم "سرود زندگی" پیش کی۔ اس کے موضوع اور تاثراتی پہلوؤں پر غائر نظر ڈالی گئی اور بعض اہم امور کی طرف صابر صاحب کو توجہ دینے کے لئے کہا گیا۔ کافی بحث کے بعد صاحب صدر نے کہا کہ صابر صاحب نے اپنی حد تک اچھی کوشش کی ہے۔

آخر میں آئندہ نشست کے لئے پروگرام طے کیا گیا اور نریش کمار شاد صاحب نے "جوش کی شاعری" کے عنوان سے مقالہ پڑھنے کا وعدہ کیا۔ ہیرا لال فلک اور طالب دہلوی صاحبان نے نظم و غزل کے ساتھ شرکت کا یقین دلایا۔

آئندہ نشست ۱۰ر اگست کو منعقد کیا جانا طے کیا گیا۔

(اسسٹنٹ سکریٹری)

ضروری اعلان

براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ — منیجر

مراسلات

"اجمیر کا پہلا اُردو اخبار"

میرے مضمون "اجمیر کا پہلا اُردو اخبار" کے سلسلے میں "ہماری زبان" کی اشاعت ۱۵ر جولائی ۱۹۶۳ء میں اسی عنوان کے تحت جو مراسلات شائع ہوئے ہیں وہ نظر سے گزرے۔ پہلے مراسلے میں میرے زبانی واضح بیان کو صحیح طور پر نہیں پیش کیا گیا ہے۔ میں نے یہ بات بہت صاف صاف الفاظ میں کہی تھی کہ "بھرت پور" سے شائع ہونے والے اخبار کا نام "مظہر العجائب" نہیں "مظہر السرور" تھا اور اس اخبار کے ایک کالم پر ہندی اور ایک کالم پر اردو چھپتی تھی۔

اور ۱۸۵۲ء کے آغاز میں دتاسی کے بیان کے مطابق صرف ممالک مغربی و شمالی میں ۳۴ مطبعے تھے (۳۲ نہیں جیسا کہ صاحب مراسلہ نے کہا ہے) جن میں ۲۱ ہندوستانی رسالے اور اخبار چھپتے تھے۔

میں نے یہ بات بھی واضح کر دی تھی کہ "خیر خواہ خلق" سے قبل "شمس الہدایت" نام کا اخبار بھی "اردو ہندی" میں اسی صورت سے شائع ہو چکا تھا۔ جس طریقہ پر "مظہر السرور" نکلتا تھا۔

میں "مظہر السرور" اور "شمس الہدایت" کو "اردو ہندی" کی مشترک اشاعت کی بنا پر "اردو ہندی" کا اخبار سمجھتا ہوں اور "خیر خواہ خلق" چونکہ صرف اُردو ہی میں شائع ہوتا تھا اس لئے اسے "اُردو کا پہلا اخبار" کہنے پر مجبور ہوں۔

تیسرے مراسلے میں مخلص اکمل صاحب جے پوری نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جے پور اور اجمیر دو الگ الگ علاقے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے۔ مگر آج یہ اور دیگر علاقے "صوبۂ راجستھان" کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اس لئے اگر اجمیر سے شائع ہونے والے اردو اخبار کی قدامت واضح ہو جاتی ہے تو پھر اسے آج موجودہ صوبۂ راجستھان کا پہلا اردو اخبار قرار دیئے جانے میں کیا قباحت ہے۔

اکمل صاحب نے اپنے مراسلے میں دوسری اہم بات یہ تحریر فرمائی ہے۔ مصنف "تذکرہ شعرائے جے پور" نے بالکل صاف اور صحیح لکھا ہے کہ:

"جے پور سے پہلا ہفتہ روزہ اخبار ۱۸۶۹ء میں "نیر راجستھان" نکلا۔"

پتہ نہیں کس بنیاد پر مصنف "تذکرہ شعرائے جے پور" کے بیان کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ دراصل حقیقت یہ ہے کہ "نیر راجستھان" ۱۸۶۹ء سے پہلے ہی "جے پور" سے نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ میرے اس دعویٰ کے ثبوت میں مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

"نیر راجستھان" یہ اخبار راجپوتانہ میں شہر جے پور سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔ میرے نوجوان دوست اے۔ ایچ۔ پامر کی عنایت سے اس کے چند نمبر مجھے حاصل ہو گئے..."

مندرجہ بالا عبارت "خطبات گارساں دتاسی" مطبوعہ انجمن ترقی اُردو سے لی گئی ہے جو کہ "سولہواں خطبہ" کے ذیل میں صفحہ ۵۱۰ پر درج ہے۔

"سولہواں خطبہ" ۲ر دسمبر ۱۸۶۶ء کو دیا گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ "نیر راجستھان" ۱۸۶۶ء میں نکل چکا تھا نہ کہ ۱۸۶۹ء میں نکلا۔ (سید فضل المتین)

"یہ بحث اب ختم کی جاتی ہے"

(ادارہ)

چند ضروری باتیں

جناب عالی نمستے، آل انڈیا سطح پر اُردو کے لئے کوئی تحریک اٹھائی جانی چاہئے تاکہ حکومت سے کچھ زبان کے لئے لڑا جائے۔ اگر یہی حالت رہی تو وہ دن دور نہیں جبکہ یہ زبان صرف چند خطوں تک ہی محدود رہ جائے گی۔ آنے والی نسل اس سے بالکل بے بہرہ ہوتی جا رہی ہے۔ حکومت نے ہر ایک صوبے میں وہاں کی صوبائی زبان کے ساتھ ہندی جوڑ دی ہے۔ انگلش بھی رکھ دی ہے۔ اس لحاظ سے تین زبان والے فارمولا میں بھی اس کی ہر جگہ مخالفت ہی ہوئی ہے۔ آج اس سے زیادہ افسوس کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ یو۔پی جیسے صوبے میں جو اُردو کا گڑھ ہے اُردو کو تیسری زبان تسلیم کرنے کو حکومت تیار نہیں ہے۔ ہندی پنجابی کے جھگڑے نے اُردو کو پنجاب میں پیچھے دھکیل دیا ہے۔ جبکہ پنجاب میں ہر ایک پارٹی اخباری پروپیگنڈا، اشتہار وغیرہ اُردو میں کرتی ہے۔ تقریریں بھی اُردو میں ہوتی ہیں اب اس کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

(مہابیر پرشاد متل شاد)

اورینٹل کالج بمبئی کے سالانہ امتحانات

اورینٹل کالج بمبئی کے سالانہ امتحانات "شعبۂ اُردو" (ادیب، منشی، منشی عالم، منشی فاضل۔ آنرز ان اُردو) ۲۶ر اگست سے اور "شعبۂ اسلامیات" (ابتدائی، متعلم اسلامیات۔ ماہر اسلامیات۔ فاضل اسلامیات) ۲ر ستمبر ۶۳ء سے کالج کے جملہ سنٹروں میں جو ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں بیک وقت شروع ہوں گے۔ ان تحریری امتحانات کے علاوہ آنرز ان اُردو ڈاکٹور ادب۔ آنرز ان اسلامیات اور ڈاکٹور اسلامیات کے امتحانات بذریعہ "مقالہ" بھی ہوتے ہیں۔

سالانہ امتحانات کے لئے داخلہ شروع ہو گیا ہے۔

طالبات سے نصف فیس لی جاتی ہے۔ دستور و نصاب منگانے کا پتہ:

پرنسپل۔ اورینٹل کالج۔ بھنڈی بازار، بمبئی ۳

سالانہ رپورٹ

انجمن ترقی اُردو راجستھان

(گذشتہ سے پیوستہ)

بلاشک یہ گوشوارہ نہایت مختصر و نامکمل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری مقامی شاخوں اور دیگر کارکنوں نے ہمیں مطلوبہ اطلاعات نہیں ورنہ کم از کم یہ تعداد دس گنی سے کم نہ رہتی۔

افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے "غازیان گفتار" مشورے خوب دیتے ہیں۔ اسکیمیں تیار کرنے میں کامل مہارت رکھتے ہیں جلوت پر غصہ اُتارنے میں بھی راحت محسوس کرتے ہیں اور انجمن پر بھی کبھی کبھار چشم کرم و عنایت ہو جاتی ہے مگر اپنے نفس سے محاسبہ کرنے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں فرماتے۔

وہ صاحبان یا تو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ انجمن کے پاس "الہ دین کا چراغ" ہے یا اُس کے قبضے میں قلمدان وزارت ہے کہ سب شکایات فوراً رفع ہو سکتی ہیں۔

وفد مذکور اس لئے مطمئن لوٹا کہ تعلیم کے سلسلے میں اسسٹنٹ کمشنر صاحب اور اسپیشل آفیسر نے اطمینان دلایا کہ آئندہ سیشن سے ان اسکولوں میں جملہ مضامین کی تعلیم اُردو میں اُردو کے ذریعے ہونے کا انتظام کیا جائے گا اور کورس کی کتابوں کی بابت موجودالوقت ڈپٹی ڈائرکٹر صاحب سے انہوں نے صاف طور پر کہا کہ جب تک راجستھان کی اپنی کتابیں شائع نہ ہوں بموجب حکم حکومت راجستھان کسی بھی قریبی ریاست کی کتب نصاب نامزد کر دی جائیں۔

ڈپٹی صاحب کے اس عذر پر کہ نصاب کی کتابیں کہیں نہیں ملتیں۔ وفد نے دو مکمل سیٹ بھی درجہ سوم سے پنجم تک کے اِن کی خدمت میں پیش کر دئے۔ بہر حال انہوں نے بھی وعدہ کیا کہ آئندہ سیشن سے کورس کی کتابیں ملنے کا ضرور انتظام ہو جائے گا۔

اساتذہ اُردو

انجمن کے وفد نے ایک ایسا گوشوارہ بھی اسسٹنٹ کمشنر صاحب کی خدمت میں پیش کیا کہ اُردو کی تعلیم کے اہل ٹیچرس ایسی جگہ مامور ہیں جہاں اُردو کا کوئی طالب علم نہیں۔ اور جہاں اُردو کے طلبہ ہیں وہاں یا تو اُردو کے مدرس ہیں ہی نہیں یا ہیں تو نااہل۔ یہ گوشوارہ بھی اسی لئے مختصر رہا کہ ہمارے اُردو دوستوں نے ہمیں مکمل اطلاعات نہ دیں۔

کتب نصاب

وفد کی اس ملاقات کے بعد نیشنلائیزیشن ٹیکسٹ بکس بورڈ آف راجستھان کی جانب سے درجہ سوم سے درجہ پنجم تک کی نو کتابیں مختلف مضامین کی ایک لاکھ اسی ہزار (۱۸۰۰۰۰) کی تعداد میں برائے نصاب طبع کرانے کے ٹینڈر طلب کئے گئے۔ مگر اُردو کے ستارے کی گردش نے اس کام کو بھی گردش میں ڈال دیا اس طرح کہ اول

بلاک لیٹر یعنی عربی رسم خط میں یہ کتابیں چھپوانا قرار دیا گیا۔ انجمن نے کوشش کرکے رسم خط نستعلیق تبدیل کرایا اس لئے کہ طلبہ اور ان کے سرپرستوں نے اس رسم خط میں وقت و دشواری محسوس کی پھر پہلی بار کوئی ٹینڈر ہی نہ لگا۔ دوسری بار پھر اعلان ہوا تو صرف دو پیش ہوئے انجمن ہٰذا اس امر کی کوشش کرتی رہی کہ سیشن شروع ہونے تک کتابیں چھپ آئیں اور طلبہ کو وقت پر مل جائیں چنانچہ ایک چٹھی سکریٹری صاحب بورڈ مذکور کی وصول ہوئی کہ جس پریس کا ٹینڈر کم تھا اس کو کام دے دیا گیا ہے اور دوسری چیف سکریٹری صاحب راجستھان کی جس کے ساتھ ایجوکیشن ڈائرکٹر صاحب بیکانیر کی چٹھی کی نقل ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کتابیں جلد ترملنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور طباعت کا کام دیا جا چکا ہے۔ جولائی میں کتابیں مل جانے کی امید کی جاتی ہے۔ ان اطلاعات کے باوجود میرے خیال میں اسکولوں کے کھلنے پر کتابوں کا چھپ کر آجانا اور طلبہ کو وقت پر مل جانا ممکنات سے نہیں، جس کے وجوہ میں عرض کرنا نہیں چاہتا۔ ایک ہفتہ بعد آپ صاحبان کو خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ کتابیں کہاں ہیں۔ البتہ کتابیں چھپنا ضرور شروع ہو گئی ہیں جو ہندی کورس کی کتابوں کا ترجمہ ہیں۔

انہی حالات اور عدم توقع کی بنا پر ایک مفصل چٹھی انجمن ہٰذا اسپیشل آفیسر صاحب لسانی اقلیات۔ ڈائرکٹر صاحب ایجوکیشن اور لسانی اقلیاتی کمشنر کو روانہ کر چکی ہے کہ وقت پر طلبہ کو کتابیں لازمی طور پر مل جانے کا معقول انتظام فرما کر ممنون فرمائیں۔

ان حالات کی بنا پر اب آپ صاحبان کو فیصلہ کرنا ہے کہ ان تعلیمی عقدوں کو کس طرح حل کیا جائے۔

رجسٹر داخلہ

اس شکایت کو دور کرنے کی غرض سے کہ ہیڈ ماسٹر طلبہ کو یہ کہہ کر داخلہ نہیں دیتے کہ یہاں اُردو کا انتظام نہیں ہے یا طلبہ کی تعداد پوری نہیں ہے۔ حکومت نے یہ حکم بھی جاری کر دیا ہے کہ ہر پرائمری اسکول میں سیشن شروع ہونے سے تین ماہ پہلے ایک رجسٹر رکھا جائے جس میں طلبہ کے سرپرست بچے کی وہ مادری زبان درج کرائیں جس میں وہ تعلیم دلوانا چاہتے ہیں۔ اس طرح اگر کسی کلاس میں دس یا پورے اسکول میں چالیس طلبہ ہو جاتے ہیں تو وہاں اگر اُردو کی تعلیم کا انتظام پہلے سے نہیں بھی ہے تو ہو سکتا ہے اسی لئے سیشن شروع ہونے سے پہلے یہ رجسٹر رکھا جاتا ہے لہٰذا اُردو والوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اور اگر اب بھی کہیں رجسٹر نہیں ہے تو اس کی اطلاع انسپکٹر آف اسکولس اور انجمن ہٰذا کو دی جائے۔

گوشوارہ پتہ

اس کے علاوہ "گوشوارہ پتہ" کے نام سے ایک اور فارم بھی جاری ہوا ہے جس میں بچے کو داخل کرتے وقت اس کی مادری زبان کا اندراج سرپرست کو کرنا ہوگا۔ یہ اندراج بھی سمجھ کر صحیح کرنا چاہیے۔ اس کی تکمیل اگر کوئی سرپرست خود نہ کر سکے تو اپنے کسی ہندی جاننے والے

دوست یا رشتہ دار سے کرا دے یا مقامی انجمن کے کارکنوں سے رجوع کرے۔

ان کل احکام کی نقلیں مع ضروری حوالہ جات ذریعہ ہینڈ بلس پوسٹر اور اخبارات اُردو دوستوں تک ہزارہا کی تعداد میں پہنچائی جا چکی ہیں اور عند الضرورت پھر بھی دی جا سکتی ہیں۔

انجمن کو اصرار کیوں ہے

کہا جا سکتا ہے کہ انجمن کو مادری زبان کی تعلیم پر اصرار کیوں ہے؟ ظاہر ہے کہ بچہ جس قدر جلد مادری زبان کو سمجھ سکتا اور اس کے ذریعہ سے جلد تعلیم حاصل کر سکتا ہے' وہ غیر مادری زبان کے ذریعہ ممکن نہیں اسی لئے بحیثیت ماہر تعلیمات جملہ ریاست ہائے ہندوستان کے وزرائے تعلیم کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بچہ کی ابتدائی تعلیم اس کی مادری زبان کے ذریعہ ہونی ضروری ہے۔ اس لئے درجہ پنجم تک جملہ مضامین کی تعلیم مادری زبان کے ذریعہ دی جائے اور جن ریاستوں کی علاقائی زبان ہندی ہے' وہاں اس خیال سے کہ آگے چل کر بچہ ہندی میں کمزور نہ رہ جائے درجہ سوم سے ہندی بھی بحیثیت لازمی مضمون پڑھائی جائے۔ یہ راجستھان کے لئے بھی منظور شدہ ہے۔ لہٰذا مادری زبان کی تعلیم پر انجمن کا اصرار طلبہ کی خیر خواہی پر مبنی ہے۔ بعض صاحبان کا یہ اندیشہ کہ بچہ پہلے اور دوسرے درجہ میں ہندی نہ پڑھے گا تو ہندی میں کمزور رہ جائے گا۔ محض ناواقفیت کی بنا پر ہے اس لئے کہ ان میں زبانی تعلیم دی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ خصوصیت صرف اُردو ہی کے ساتھ نہیں ہے اور نہ صرف اُردو والوں ہی کو اس پر اصرار نہیں بلکہ ہر اس اقلیاتی زبان کے لئے ہے جس کو قانون نے ہندوستانی زبان تسلیم کر لیا ہے مثلاً گجراتی، پنجابی اور سندھی وغیرہ! اس طریقہ تعلیم سے انحراف خود اقلیاتی زبان والوں کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

سہ لسانی فارمولا

تعلیمی سلسلے میں آنے والے سیشن سے جو یکم جولائی سنہ حال سے شروع ہو رہا ہے ایک اور اہمیت پیدا ہو گئی ہے کہ اسی سیشن سے نویں درجہ سے سندھی، گجراتی، پنجابی، اُردو اور سنسکرت میں سے کوئی ایک زبان پڑھنا بطور مادری زبان کے لازمی قرار دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ جن بچوں کی مادری زبان اُردو ہے وہ اُردو ہی پڑھ کر نمایاں طور پر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں؛ اور تب ہی ان کی تعلیم کی مقابلے کے وقت پرسش ہو سکتی ہے۔ آخر میں صورت وہ اگر اپنی مادری زبان نہ پڑھ سکے تو ظاہر ہے کہ یا تو آٹھویں درجہ پر انہیں تعلیم ختم کرنی پڑے گی یا ان میں سے جو مادری زبان سے دور پڑھیں گے ہو گی بصورت دیگر آگے چل کر ناقابل تلافی خسیارہ اُٹھانا ہو گا کیونکہ دو زبانوں کا ہونا بھی کامیابی کے ساتھ ضروری ہے۔ اُردو والے اس خدشے کو دل سے قطعاً نکال دیں کہ اُردو پڑھنا بیکار ہے اور ہندی میں کمزور رہ جانے کا سبب ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس نقصان کا سبب ہے۔

اُردو کالج

اس وقت کو رفع کرنے کی غرض سے کہ جن طلبہ نے آٹھویں کلاس تک اپنی مادری زبان اُردو نہیں پڑھی ہے وہ نویں جماعت کو کس طرح پڑھ سکیں گے۔ انجمن ہذا کے ایک رکن رکین نے جو اُردو کالج جے پور کے پرنسپل بھی ہیں یہ انتظام اپنے کالج میں کیا ہے کہ ایسے طلبہ کو رات کے وقت وہاں تعلیم دے کر اس قابل کر دیا جائے کہ وہ آسانی سے نویں کلاس میں چل سکیں۔ ذریعہ ہینڈ بلس اس کا کافی اعلان کیا گیا ہے۔ اب یہ طلبہ اور ان کے سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ فائدہ اُٹھائیں۔

ایم اے میں اُردو

راجستھان کے کسی بھی ایم اے کلاس میں اُردو جاری نہیں ہے۔ اس کی بابت تین سال سے کوشش کی جا رہی ہے۔ مرکزی انجمن بھی ساعی ہے۔ خط و کتابت کا بھی سلسلہ جاری ہے۔ اور انجمن ہذا کے صدر محترم وائس چانسلر صاحب راجستھان یونی ورسٹی سے ملاقات بھی کر چکے ہیں علاوہ ایک مفصل نوٹ بھی اس کی بابت وائس چانسلر صاحب کو بھیجا جا چکا ہے۔ نیز ایجوکیشن منسٹر صاحب سے بھی اس سلسلے میں ایک وفد کی ملاقات کے لئے وقت مانگا ہے جس کا انتظار ہے۔ یونی ورسٹی کے رجسٹرار صاحب کی ایک چٹھی بھی وصول ہوئی ہے کہ وہ اس معاملے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

جامعہ اُردو علی گڑھ کے امتحانات

اسسٹنٹ کمشنر صاحب سے ملاقات کے دوران میں یہ سوال بھی اُٹھا کہ جس طرح ہندی اور سنسکرت کے امتحانات پاس کئے ہوئے تجربوں کو ان کے تعلیمی معیار کے مطابق گریڈ ملتے ہیں اسی طرح اُردو کے امتحان پاس شدہ لوگوں کو بھی ملنے چاہئیں چنانچہ اس سلسلے میں خط و کتابت جاری ہے اور حکومت نے جامعہ اُردو علی گڑھ کے امتحانات کی تفصیل طلب کی ہے جو بھیج دی گئی ہے۔

اُردو کی درخواستیں

علاوہ عدالت ہائے تمام دفاتر و محکمات میں اُردو کی درخواستیں قبول کئے جانے کے احکام گورنمنٹ راجستھان جاری کر چکی ہے اور اس حکم کی نقل انجمن ہذا مشتہر کر چکی مگر بجز ایک واقعہ کے کہیں سے کوئی اطلاع نہ ملی کہ کسی نے کوئی درخواست پیش کی ہو اور وہ رد کر دی گئی ہو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس حق سے اُردو والوں نے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔

اُردو میں قوانین و اعلان وغیرہ

راجستھان گورنمنٹ کے اس حکم کے باوجود کہ اُردو میں بھی ضروری اعلان وغیرہ شائع ہوں گے۔ گزشتہ ایک سال کے عرصہ میں صرف ایک کتابچہ "ترقی پذیر راجستھان" نامی مترجمہ لے۔ ایف عثمانی اُردو میں شائع ہوا ہے۔ مگر ایسے بہت سے اعلان وغیرہ ہیں جو اُردو میں شائع ہونا ضروری ہیں مثلاً قواعد و اعلانات حج وغیرہ' لہٰذا اس بابت بھی انجمن ہذا برابر خط و کتابت کر رہی ہے اور لسانی اقلیاتی اسسٹنٹ کمشنر صاحب کو ان کے طلب کرنے پر نوٹ بھیجا جا چکا ہے۔

(باقی)

معاصرین

شذرات

اُردو زبان کا مسئلہ کسی خاص فرقے یا طبقے کا نہیں بلکہ حق و انصاف جمہوریت و سیکولرزم اور حکومت اور ملک کی بہی خواہی کا ہے اس لئے جب تک اس کا حق نہیں ملتا اس مسئلہ کو چھوڑا نہیں جا سکتا اور حکومت نے بار گشتے اُردو کی آواز برابر اس کے کانوں تک پہنچاتے رہنا ضروری ہے۔ ہندی اب حکومت کی زبان بن چکی، اس کی اس حیثیت سے کسی کو بھی انکار نہیں اور اُردو کے حق کے مطالبہ کا مقصد ہندی کی مخالفت نہیں ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اب اُردو کا کوئی حق باقی نہیں رہا اور اس کے ساتھ جو زیادتی بھی کی جائے اس کو خاموشی کے ساتھ برداشت کیا جائے۔

اُردو کی حیثیت محض ایک معمولی زبان کی نہیں ہے، وہ اپنی عمومیت مقبولیت، لسانی، علمی، ادبی اور تمدنی اہمیت ہر لحاظ سے ہندوستان کی تمام زبانوں میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اس کو جو خصوصیتیں حاصل ہیں وہ ہندی کو بھی حاصل نہیں ہیں، اور ابھی ان کو حاصل کرنے کے لئے ایک مدت درکار ہے، وہ ہندی سے سب سے زیادہ قریب ہے، بلکہ اسی کی ایک شاخ کی مہذب اور ترقی یافتہ شکل ہے وہ ہندوستان کے مشترک تمدن کی ترجمان ہے، اس میں تقریباً تمام ہندوستانی زبانوں کے کچھ نہ کچھ اثرات پائے جاتے ہیں، اس لئے پورے ملک میں سمجھی جاتی ہے، اور اس کے مختلف حصوں میں ربط و تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور جس قومی اتحاد و یکجہتی کی ضرورت کا احساس اب ہوا ہے اس کو وہ مدتوں سے پورا کرتی چلی آرہی ہے، ہندوستان کی جنگ آزادی میں اس کا سب سے زیادہ حصہ رہا ہے، حصول آزادی کے متعلق جیسی پُرجوش اور ولولہ انگیز نظمیں اُردو میں ہیں ہندوستان کی کسی زبان میں نہیں مل سکتیں، سیاسی پروپیگنڈے کو چھوڑ کر اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس صوبے میں اُردو یا کم سے کم ہندوستانی بولنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور اس کے مغربی اضلاع اور شہری اور تعلیم یافتہ طبقے کی زبان تو خالص اُردو ہے، حتیٰ کہ اُردو کے مخالفین بھی سیاسی پلیٹ فارم سے اتر کر اپنی روزانہ کی زندگی میں آج بھی اُردو ہی بولتے ہیں، علمی و تمدنی ذخیرے میں ہندوستان کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اُردو ہندوستان کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان ہے، اس لئے اس کو مٹانا حق و انصاف جمہوریت و سیکولرزم، علم و فن، تعلیم و تہذیب سب کا خون کرنا ہے۔

لسانی فارمولے کا سب سے بڑا مقصد قومی اتحاد و یکجہتی ہے جس کا ایک بڑا ذریعہ اُردو ہے مگر ہمارے صوبے کی حکومت نے اس کے بارے میں جو پالیسی اختیار کی ہے اور جس طرح اُردو کی جگہ سنسکرت کو لا بٹھایا ہے وہ اس مقصد کے سراسر خلاف ہے، جن لوگوں کا مقصد محض اُردو کو مٹانا ہے ان کے لئے تو دلائل بے کار ہیں، لیکن جو لوگ انصاف پسند اور ملک کے بہی خواہ ہیں ان کو اس مسئلہ کے دوسرے پہلوؤں پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، اس میں شبہ نہیں کہ اُردو ہندو مسلمانوں کی مشترک زبان ہے جس سے انصاف پسند ہندو بھی انکار نہیں کرتے یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں کو اُردو سے ایک خاص خصوصیت اور جذباتی لگاؤ بھی ہے، لیکن اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اُردو تنہا مسلمانوں کی زبان ہے تو کیا ہندوستان کے پانچ کروڑ اور اس صوبے کے ایک کروڑ مسلمانوں کی زبان کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔

زبان کا مسئلہ مذہب سے کم اہم نہیں ہے، اس کو دبانے سے انقلاب انگیز تحریکیں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، جنوبی ہندوالوں کی مثال اس کی شاہد ہے، حالانکہ حکومت نے وہاں کی کسی زبان کو دبایا نہیں محض ہندی کے تسلط کے خوف سے وہ ہندوستان سے علیحدگی تک کے لئے آمادہ ہیں، اور حکومت کو ان کے مطالبات کے سامنے جھکنا پڑا، یہ اس کا ثبوت ہے کہ اُردو کی حق تلفی محض مسلمانوں کی بے بسی کا نتیجہ ہے، اگر ان میں بھی دم ہوتا تو حکومت اس طرح اُردو کا حق پامال نہیں کر سکتی تھی، لیکن اقلیت کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا جمہوریت اور سیکولرزم کے سراسر خلاف ہے، دوسرے اس سے مسلمانوں میں جو بددلی اور بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے وہ ملک کے لئے قطعاً مفید نہیں، اور اس کی ذمہ داری تمامتر حکومت کے سر ہے۔

کانگریس حکومت سے خوش فہموں کو بڑی امیدیں تھیں، انھوں نے اپنی خوش آیند باتوں اور لسانی کمیٹی کے ذریعے اُردو والوں کو بہلانے کی بھی کوشش کی، مگر جب ایک آل انڈیا تعلیمی فارمولے کی رو سے اس صوبے میں اُردو کی تعلیم کی گنجائش نکلی تو اس کی جگہ سنسکرت کو گھسا کر اُردو کی تعلیم کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا، ایک پنڈت جواہر لال نہرو اپنی حد تک ہندی سے اُردو کے جائز حقوق کی حمایت برابر کرتے رہے ہیں، سہ لسانی فارمولا کی وضاحت میں اُردو کے حق میں فیصلہ دیا لیکن یہ اُردو کی بدقسمتی ہے کہ پنڈت جی کی آواز بھی جس کی صدائے بازگشت سے پورا ہندوستان گونج اٹھتا ہے اُردو کے معاملے میں بے اثر رہی ہے۔

سنسکرت کے احیا اور اس کی تعلیم و اشاعت کے لئے تو حکومت کے سارے ذرائع وقف ہیں اور مختلف شکلوں میں اس کی تعلیم کا انتظام ہے، اس لئے اگر لسانی فارمولے میں تیسری زبان کی جگہ اُردو کو دے دی جاتی تو اس سے سنسکرت کا کیا بگڑ جاتا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت کا مقصد محض سنسکرت کی تعلیم نہیں بلکہ اُردو کو مٹانا ہے، تاہم اس صورت حال سے مایوس نہ ہونا چاہئے اور اُردو کے لئے کوشش برابر جاری رکھنا چاہئے، اُردو والوں کے بچوں کے لئے ایک شکل یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اسکولوں میں اُردو پڑھنے کی اجازت دے دی جائے، مگر اس پر بھی قناعت نہ کرنی چاہئے اور جب تک ہر اسکول میں اس کی تعلیم کی جدوجہد برابر جاری رکھنا چاہئے۔ [illegible]

فلم ڈویژن اور اُردو

اُردو کی مقبولیت اور ہمہ گیری کا اعتراف ملک کے قریب قریب تمام چوٹی کے لیڈروں نے کیا ہے اور اسی مقبولیت کے زیر اثر دھیرے دھیرے حکومت کے اطلاعات و نشریات کے شعبوں نے اس زبان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے بعض شعبوں نے اسے مناسب مقام بھی دیا ہے۔ مثلاً آل انڈیا ریڈیو کی اُردو کی نشریات دلی، لکھنؤ اور حیدرآباد کے اُردو پروگرام پنج سالہ منصوبوں کے پوسٹر، حکومت کی مختلف ترقیاتی سرگرمیوں سے متعلق معلومات اُردو میں بھی شائع کی جاتی ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود فلم ڈویژن جو محکمۂ اطلاعات و نشریات ہی کا ایک شعبہ ہے نہ جانے کیوں اُردو کے سلسلے میں بے توجہی برت رہا ہے۔ اس بے توجہی کی وجہ ایک تو دفتری تساہل پسندانہ انداز ہو سکتا ہے، دوسرے ذمہ داروں کی حقائق سے لاعلمی بھی ہو سکتی ہے۔

یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ کلکتہ، بمبئی، حیدرآباد اور اتر پردیش کے تمام بڑے شہروں اور دیہاتوں میں اُردو جاننے اور سمجھنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ فلم کے ایک بہترین اور موثر ذریعہ تشہیر ہونے سے کسے انکار ہو سکتا ہے اور اسے یقیناً عوام کی تربیت ذہنی اور ان کے شعور میں اضافہ کے لئے استعمال کرنا چاہئے مگر برخلاف اس کے فلم ڈویژن مقصدی اور پرچار کی غرض سے بنائی جانے والی ڈکومنٹری فلموں کی وہ کاپیاں جن میں اردو کومنٹری ہوتی ہے صرف جموں و کشمیر بھیجتا ہے اور بس اور جب یہ فلمیں لوٹ کر آتی ہیں تو کسی اور شہر میں بھیجی نہیں جاتیں بلکہ ڈبوں میں بند کر کے رکھ دی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی تیاری پر جو خرچ ہوتا ہے اس کا خاطر خواہ فائدہ نہ حکومت کو ہوتا ہے اور نہ عوام کو۔ در آں حالیکہ آج تک جتنی بھی فلمیں اور جن فلموں کے گانے مقبول ہوتے ہیں وہ زیادہ تر اُردو ہیں جنھیں ہندی کا سرٹیفکٹ لگا کر دیا جاتا ہے۔ ان فلموں کے مکالمے اُردو کے بہترین محاورے ہوتے ہیں۔ کوئی کردار جب اُردو کے کسی نامور شاعر کا شعر دہراتا ہے تو ہال میں تالیاں پٹتی ہیں۔ اسی طرح جو گانے مقبول ہوتے ہیں وہ خالص اُردو شاعری کے ہیں اور ان کے لکھنے والے بھی زیادہ تر وہی شاعر ہیں جو اُردو کے شاعر ہونے کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔

(خلافت بمبئی)

> ادبی حلقہ کی رکنیت کے لئے
>
> پتہ ذیل سے قواعد و ضوابط طلب کیجئے
>
> **ادبی حلقہ انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ**

"ماری زبان" میں بھی فلمیں

ماسکو (تاس) سوویت یونین کی تمام بہترین فلموں کو "ماری زبان" میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اس زبان کے بولنے والے ماریں کہے جاتے ہیں یہ سوویت یونین میں بہت چھوٹی سی قومیت ہے۔ اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ لاکھ سے بھی کم ہے۔

تاتاریہ کی راجدھانی کزان کے اسٹوڈیو میں فلموں کو "ماری زبان" میں ڈب کیا جاتا ہے۔ اس اسٹوڈیو میں ماہر مترجم فلم ڈائرکٹر اور اداکار ہیں، جو خود "ماری زبان" جانتے ہیں۔

اُردو نے عالمی اخوت کا درس دیا ہے

بھوپال ۲۰ جولائی۔ کل حلقۂ دانشوران کے اجلاس میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے پروفیسر جناب حنیف قریشی فوق نے ہندو پاک کی ادبی تحریکات کا جائزہ لیتے ہوئے بھوپال کے ادیبوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ آپ نے کہا کہ یہاں کے ادیب باوجود دشواریوں اور محدود ذرائع کے ادب تخلیق کرنے میں مصروف ہیں جس میں انسانیت کی ساری قدریں سموئی ہوئی ہیں جناب فوق نے اس ضمن میں مغربی پاکستان کی نئی نسل کی تحریک "نئے محرکات" پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی شدید مذمت کی اور کہا کہ وہاں بعض حلقے لایعنی ادب پیش کر رہے ہیں اور انھوں نے انسانی مقاصد کو فراموش کر دیا ہے۔ آپ نے کہا کہ اس تحریک پر عقیدہ رکھنے والے معاشرے کے باغی ہیں۔ وہ اصول ضابطے حتیٰ کہ قواعد تک کو تج دینے کی فکر میں ہیں ذہن صدیوں کی کاوشوں سے بنتی ہے۔ منفرد تجربوں کی بھرمار اور اصولوں کے انحراف سے زبان اور ادب دونوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

اُردو زبان کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اس زبان نے عالمگیر اخوت کا درس دیا ہے۔ یہ ہندو پاک کی مشترک زبان ہے اس نے ہندو پاک میں ناقابل قطع تہذیبی رشتہ قائم کیا ہے۔

فوق صاحب نے کہا کہ جب میں اُردو کا ذکر کرتا ہوں تو میرے ذہن میں ہندی بھی ہوتی ہے کیونکہ لسانی نقطۂ نظر سے دونوں میں کوئی فرق نہیں، اُردو اور ہندی ایک بولی کے دو روپ ہیں اور ادبیں لسانی تعصب کم قائل ہے۔

بنگلہ شعر و ادب کی فضا پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے کہا کہ آج بنگال کا ہر شہری اُردو کے مشہور شاعر و ادیب سے واقف ہے۔ بنگالی زبان میں اقبال کا سارا کلام منتقل ہو گیا ہے۔ دوسرے شعراء اور ادیبوں کی تخلیقات کو منتقل کرنے کا کام پوری مستعدی سے کیا جا رہا ہے۔ حال ہی میں فیض احمد فیض جب بنگال گئے تو ان کا وہاں کی ساری تہذیبی انجمنوں نے سرگرم استقبال کیا۔

آپ نے کہا کہ مشرقی بنگال اور مغربی بنگال کی ادبی فضا میں بڑی ہم آہنگی ہے۔ ٹیگور ہماری تہذیب کا ایک نقش ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح مغربی بنگال میں قاضی نذرالاسلام کو بڑا درجہ دیا گیا ہے۔

حلقے کے اجلاس میں جناب محمد علی تاج، وفا صدیقی اور واحد پریمی نے اپنی غزلیں تنقید کے لئے پیش کیں۔ جناب تن سنگھ نے ایک کہانی "نغمہ" پیش کی، جسے بہت پسند کیا گیا۔ (افکار)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ۔ پبلشر و پرنٹر ضمیرالدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو علی گڑھ سے شائع کیا۔